(غلام گردش)

## رویے

ہم دنیا کے مشکل ترین لوگ بن چکے ہیں۔ یہ تکلیف دہ سفر صرف ساٹھ سال کے اندر طے کرنا غیر معمولی بات ہے۔ اکثریت کا خیال ہے کہ دنیا ہم سے مختلف ہے۔ مگر میرا یقین ہے کہ ہم تمام دنیا سے مختلف ہیں۔ یقین دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دور دور تک صرف اور صرف بازار اور دکانوں کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔ کسی مارکیٹ میں سیاستدان پھندا لگا کر بیٹھے ہیں، تو کسی دکان پر مذہبی رہنما مکمل منافع کے ساتھ اپنی قیادت چمکا رہے ہیں۔ اس کوچہ عبرت میں کوئی بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ میڈیا کی دکان داری اپنی جگہ، اب تو حرمتِ قلم بھی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ دانشور یا قلمکار کا نام پڑھ لیجئے، بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ نفسِ مضمون کیا ہوگا۔ اکثریت مخصوص سوچ کی غلام ہو چکی ہے۔ اس مخصوص سوچ کے پیچھے کون کون سے مفادات ہیں، یہ بذات خود ایک سوال ہے اور اس سوال میں جواب بھی چھپا ہوا ہے۔ تمام قوم مہیب تضادات کا شکار ہے۔ انفرادی، شخصی اور قومی، یہ تضاد بڑھتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ عوام بھی اس مشکل کا شکار ہے جس میں شکاری خود مبتلا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ دہائیوں کے فاصلوں پر بھی کوئی ایسی شخصی مثال نہیں ملتی جسے ہمارے جیسے لوگوں کیلئے پیش کیا جا سکے۔ مگر دنیا کا وہ حصہ جو ترقی کر چکا ہے اور مسلسل کر رہا ہے، مثالوں سے اَٹا ہوا ہے۔ کیا سیاست یا کوئی اور شعبہ۔ جنت تو خیر دنیا میں کہیں بھی نہیں، مگر مرنے سے پہلے دوزخ کا وجود بھی ان جگہوں پر موجود نہیں۔

رے ہیرس، امریکہ کے کینسس (KANSAS) شہر میں گلیوں میں پھرنے والا ایک معمولی ترین آدمی تھا۔ اسکا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ اسے فقیر کہنا تو تھوڑا سا غیر مناسب ہے مگر تقریباً اسی سطح پر زندگی گزار رہا تھا۔ Homeless لوگ وہ طبقہ ہے جو یورپ اور امریکہ میں بھی سردیوں میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ لوہے کے ڈرموں اور گتے کے ڈبوں میں انکی زندگی کی سحر ہوتی ہے اور وہیں شام بھی ہو جاتی ہے۔ کسی ذریعہ آمدن کے بغیر، اس طبقہ کے تمام لوگ حکومتی خیرات پر زندہ رہتے ہیں۔ امریکہ میں بھیک مانگنا قانون کے مطابق جرم ہے۔ لہذا لوگ سامنے کپ یا چادر بچھا کر خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ سامنے گزرنے والے لوگ، بڑے آرام سے پیسے اور سکے سامنے رکھتے جاتے ہیں۔ لگتا ہے وہاں کے فقیر بھی خاصے تہذیب یافتہ ہیں۔ ہمارے ہاں، تو صرف گاڑی کا شیشہ توڑنے کی کسر رہ گئی ہے۔ باقی سب کچھ تقریباً جائز ہے۔ ایک دن ہیرس بالکل اسی شریفانہ طریقے سے خیرات مانگ رہا تھا کہ ایک خاتون نے گزرتے ہوئے دو ڈالر کپ میں رکھ دیے۔ غلطی سے خاتون نے اپنی ہیرے کی انگوٹھی بھی کپ میں ڈال دی۔ ہیرس کو اس وقت معلوم نہ ہو سکا۔ شام کو پیسے اکٹھے کرتے ہوئے قیمتی انگوٹھی پر نظر پڑی تو حیران سا رہ گیا۔ اسکے مالی حالات کے مطابق انگوٹھی فروخت کر کے پانچ چھ سال اچھے گزارا کر سکتا تھا۔ مگر ہیرس کے اندر سے ایک اور انسان نکل کر اسکے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس دن سے پہلے ہیرس، اپنے اندر والے انسان سے قطعی طور پر ناواقف تھا۔ دل سے صرف ایک آواز نکلتی تھی جو چیز تمہاری نہیں، اسکو واپس کر دینا چاہیے۔ ہیرس نے اس عورت کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ایک ریڈیو سٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہاں بتانے لگا کہ اس حلیہ کی عورت کی انگوٹھی اس کے پاس ہے، وہ آ کر اپنی امانت واپس لے لے۔ تین چار دنوں بعد، خاتون واپس آئی اور اپنی انگوٹھی واپس لے گئی۔ پورے ملک میں اس ایماندار رویہ کی گونج سنائی

دی۔ چندلوگوں نے ملکر ہیرس کی مدد کیلئے، ایک فنڈ قائم کر دیا۔صرف دو دن میں لوگوں نے اکاؤنٹ میں دولاکھ ڈالر جمع کروادیے۔ یہ تمام پیسے ہیرس کے حوالے کر دیے گئے۔ ہیرس کے دن بدل گئے۔اس نے ایک دلچسپ فقرہ کہا، "مجھے لگتا ہے کہ میں بھی انسان ہوں"۔قطعاً عرض نہیں کر رہا کہ ہمارے ملک میں شخصی ایمانداری کی مثالیں موجود نہیں۔ پر اب کم سے کم ہوتی جارہی ہیں۔ہاں اگر بے ایمانی کی مثالیں دینی ہوں تو اس میں ہم خود کفیل ہو چکے ہیں۔شائد اس سے بھی زیادہ!

قومی سطح کے قائدین کا جائزہ لیجئے۔جب سے ملک بنا ہے، کسی بھی قیادت کو اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہر معتبر رہنما، اپنے آپکو فرشتہ یا مافوق الفطرت بنا کر پیش کرنے کی ادنیٰ کوشش میں مصروف رہتا ہے۔اس محنت میں اکثر اوقات انسان ہونے کے درجہ سے بھی کمتر ہو جاتا ہے۔سینکڑوں مثالیں ہیں یا شائد ہزاروں۔لکھنے کیلئے دیوان درد یوان چاہیں۔اشتہارات میں چھپے ہوئے مسکراتے ہوئے چہرے، عملی زندگی میں تکبر، نفرت اور کدورت سے معمور رہتے ہیں۔ایک مثال بھی دیجئے، جس میں ہمارے صدور، وزراء اعظم، وزراء اعلیٰ اور دیگر مقتدر لوگ، عام آدمیوں جیسی حرکات کرتے ہوئے دیکھے گئے ہوں۔کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی وزیراعظم، بچوں کے سکول میں جائے اور انکی باسکٹ بال ٹیم کے ساتھ کھیلنا شروع کر دے۔اپنے جوتے، ٹائی اور کوٹ خود اُتارے اور بچوں کے ساتھ دوڑ لگانی شروع کر دے۔مگر دنیا کا سب سے طاقتور صدر، براک اُبامہ، اکثر اوقات یہی کرتا ہے۔کیا آپ نے تصور کیا ہے کہ پاکستانی صدر، سائیکل چلاتا ہوا، اسلام آباد سے پنڈی، بغیر کسی حفاظتی حصار سے، آرام سے پہنچ جائے۔صرف ایک بار پاکستانی صدر کو سائیکل چلاتے ہوئے گھر سے دفتر جانے کی تصویر دیکھی تھی۔اس تصویری مہم میں حکومتی وسائل کا ضیاع گاڑیوں سے دگنا تھا لہذا اسے ترک کرنا پڑا۔یہ جناب جنرل ضیاء الحق تھے۔اسکے بالکل برعکس ہالینڈ کا وزیراعظم، روزانہ گھر سے دفتر سائیکل پر جاتا ہے۔کوئی بھی اسکی حفاظت پر معمور نہیں۔کسی سڑک پر ٹریفک نہیں رکتی۔کسی ایمبولینس میں بچے ہسپتال وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے بے وقت موت کا شکار نہیں ہوتے۔مگر دنیا کے اصول اور ہیں اور ہمارے اصول کچھ اور۔خیر اب تو اصول کا لفظ ہی بے معنی سا ہو چکا ہے۔

دور مت جایئے۔کینیڈا کے موجودہ وزیراعظم جسٹن ٹروڈو کی طرف نظر ڈالیے۔وہ حیرت انگیز حد تک سادہ اور انسان دوست شخص ہے۔قطعاً نا دولتیا بھی نہیں کہ جعلی شہرت کیلئے مداری پن کر رہا ہو۔جسٹن ٹروڈو کی پرورش وزیراعظم کی سرکاری رہائش گاہ میں اسلئے ہوئی کہ اسکا والد بھی کینیڈا کا وزیراعظم تھا۔اسکا بچپن، اور جوانی اچھے اور آسودہ ماحول میں ہوئی۔سیاست میں آنے سے پہلے بچوں کے اسکول میں حساب اور جغرافیہ پڑھاتا رہا۔وزیراعظم بننے کے بعد، سب سے پہلے اکیلا ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔عام آدمیوں سے ہاتھ ملا ملا کر شکریہ ادا کرتا رہا۔لوگ حیران رہ گئے کیونکہ انسانی سطح پر کینیڈا میں بھی ایسی مثالیں بہت کم تھیں۔ٹروڈو نے ایک اور حیرت انگیز سیاسی قدم اُٹھایا۔اس نے تیس رکنی کابینہ بنائی جس میں مرد اور خواتین وزراء کی تعداد برابر تھی۔یعنی 15 مرد وزراء اور اسی تعداد میں خواتین وزیر۔ کابینہ میں ایک خاص عنصر اور بھی تھا۔کینیڈا میں مقیم تمام مذاہب کے لوگ اس میں موجود تھے۔مسلمان، سکھ، ہندو، عیسائی یعنی کسی بھی تفریق کے بغیر سب کی نمائندگی کی گئی تھی۔کیا ہمارے ملک میں اتنے غیر متعصب رویہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔آپ کسی اور مذہب کی بات تو رہنے دیجئے، کیونکہ ہمارے ہاں اقلیتوں کے عملی طور پر کوئی حقوق نہیں۔اب تو کابینہ میں بھی فرقہ پرستی بھی ابھر کر باہر آرہی ہے۔ٹروڈو وزیراعظم

بننے کے بعد ایک مسجد میں چلا گیا۔آرام سے جوتے اتارے اور مسلمانوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتا رہا۔بریانی کھاتے ہوئے اسکی تصویر پوری دنیا نے دیکھی۔اسی طرح، بلا امتیاز، تمام مذاہب کی عبادت گاہوں میں جاتا رہا۔کیا مسجد، کیا مندر اور کیا گردوارہ ہر جگہ موجود تھا۔مقصد بالکل واضح تھا کہ کینیڈا میں ہر مذہب کے لوگ موجود ہیں لہذا تمام مذاہب اور انکے ماننے والوں کا احترام ہونا چاہیے۔جس وقت اسلامی دنیا نے شام سے مہاجرین کو لینا تقریباً بند کر دیا تھا۔بعینہ ہی اسی وقت ٹروڈو نے اپنے ملک کے دروازے مہاجرین کیلئے کھول دیے۔ایک خاص تعداد میں مہاجرین کو لینے کا اعلان کر دیا۔اس وقت کینیڈا میں شدید سردی تھی۔اس نے بچوں اور دیگر لوگوں کیلئے کوٹ اور تحائف اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔مہاجرین کا پہلا جہاز جس وقت ائیر پورٹ پہنچا تو ٹروڈو ائیر پورٹ پر ان بے سہارا لوگوں کے استقبال کیلئے خود موجود تھا۔بچوں میں تحائف تقسیم کر رہا تھا۔بے وطن لوگوں کو مسکرا کر اپنے ملک میں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ٹروڈو میں کمال یہ ہے کہ وہ انسانی سطح پر اپنے عوام کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔چھٹی والے دن، اپنے اہل خانہ کے ساتھ کسی پارک میں جا کر ایک عجیب سا کرتب دکھاتا ہے۔چھوٹے بچوں کو اپنے ایک ہاتھ سے اُٹھا کر توازن قائم کر لیتا ہے۔بچوں کے والدین حیران ہو جاتے ہیں۔ننھے منے بچے ہنسنا شروع کر دیتے ہیں۔بلند کرداری کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اپنی ذاتی غلطیوں کو تسلیم کرتا ہے۔معافی مانگتا ہے اور اس پر ندامت کا برملا اظہار کرتا ہے۔ہر قومیت کا لباس پہن کر، لوگوں کا دل موہ لینے کا فن جانتا ہے۔مسلمانوں میں عام سا کرتا شلوار پہنتا ہے۔عرض کرنے کا مقصد قطعاً یہ نہیں کہ ٹروڈو کو فرشتہ ثابت کروں۔مقصد صرف یہ ہے کہ بتا سکوں کہ طاقتور قائدین کا اپنی قوم کے ساتھ رویہ کیسا ہوتا ہے۔عام لوگوں کے ساتھ نسبت قائم کرنا فخر یہ بات سمجھتے ہیں۔

ہمارے ملک کی اشرافیہ کی طرف آیئے۔کسی بھی سیاسی یا غیر سیاسی عہدہ کو پرکھ لیجئے۔آپکو آقا اور غلام کا تعلق نظر آئیگا۔یہاں بتانے کی ضرورت نہیں کہ آقا کون اور غلام کون ہے۔ہمارے قائدین اب تک یہ اہم نکتہ نہیں سمجھ پائے کہ حکومت دلوں سے شروع ہوتی ہے۔ہر صاحب مسند شخص کے اردگرد مصاحبین، درباریوں اور خوشامدیوں کا لامتناہی ٹولہ موجود رہتا ہے۔اقتدار کی آنکھیں بند ہونے پر ہی مقتدر حلقوں کی آنکھیں کھلتی ہیں یا وہ مجبوراً آنکھیں کھول لیتے ہیں۔مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے!ہر چیز بدل جاتی ہے۔ہمارا معاشرہ عبرت ناک رویوں کی کمین گاہ ہے۔

راؤ منظر حیات

Dated:13- May 2016